کہ قرآنی نظام دوسرے نظاموں سے کیونکر مختلف ہے۔ محمد عمر اسلم اصلاحی نے سورۂ بقرہ کے حوالے سے چند اہم معاشی تعلیمات کو اپنے مقالے کا موضوع بنایا۔ محی الدین غازی نے 'فساد فی الارض کا مالی اور معاشی پہلو قرآنِ مجید کی روشنی میں' پیش کیا۔ شاہ محمد وسیم کا موضوع 'قرآنی معاشرہ، معیشت اور تجارت: ایک مختصر خاکہ' تھا۔ جناب محمد یاسین مظہر صدیقی کے مقالے کا عنوان: 'اسلام میں ربا کی تحریم، مختلف جہات کا تنقیدی تجزیہ' تھا۔ قرآنِ مجید میں افزایش دولت کا تصور، ایک جائزہ' ابوسفیان اصلاحی کے مقالے کا عنوان تھا۔ محمد رضی الاسلام نے 'اسلامی نظامِ معیشت میں عورت کے حصہ' کے موضوع پر بحث کی۔ عنایت اللہ سبحانی نے 'نظام المیراث فی القرآن' کے موضوع پر عربی میں مقالہ پیش کیا۔ اس سیمی نار میں اُردو، عربی اور انگریزی میں مقالات پیش کیے گئے۔ اپنے موضوعات کے حوالے سے یہ مقالات وقیع بھی ہیں اور متنوع بھی۔ (میاں محمد اکرم)

تلاش، اللہ: ماورا کا تعیّن، عکسی مفتی، ناشر: الفیصل، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۵۳۱۔ قیمت: ۱۲۰۰ روپے۔

پیشِ نظر کتاب عکسی مفتی کی انگریزی تصنیف *Allah: Measuring the Intangible* کا اُردو ترجمہ ہے۔ ترجمہ کار ڈاکٹر نجیبہ عارف (استاد، بین الاقوامی یونی ورسٹی، اسلام آباد) کہتی ہیں کہ ''اللہ سے مَیں نے بار بار پوچھا تُو کیا ہے، کہاں ہے، میری سمجھ میں کیوں نہیں آتا؟...... اللہ نے بالآخر مجھے اس نیم جانی سے رہا کرنے کا فیصلہ کرلیا...... عکسی مفتی سے یہ کتاب لکھوا کر مجھے بھیجی ہے کہ جا پڑھ لے......'' (ص ۱۱)

مصنف کہتے ہیں کہ: ''سائنس کو علم کے تمام ذرائع پر برتری حاصل رہی ہے...... یہ 'اجماع' کا نام ہے، یہ 'سچّائی' کی تجربی میزان ہے (ص ۳۱)۔ اور ''اللہ ایک ماورائی حقیقت ہے۔ نادیدہ اور ناقابلِ بیان ___ صرف ایک باطنی تجربہ۔ ہم وجدانی طور پر اُسے سمجھتے ہیں، مگر عقلی طریقے سے اس کی وضاحت نہیں کرسکتے...... اللہ کو ان مظاہر کے ذریعے بیان کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایکس ریز کا تجزیہ کرنا یا روشنی کی غیرمرئی لہروں کو مرئی رنگوں کی مدد سے بیان کرنے کی کوشش کرنا...... (ص ۴۲)۔ ان کے خیال میں مغرب میں خدا بے زاری اور الحاد کا سبب، کلیسائی خدا کا

وہ تصور تھا، جس میں اسے ایک سخت گیر اور جابر باپ کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ مغرب میں اس سے چھٹکارے کے طور پر بے لگام آزادی اور اس کے ردعمل میں مشرق میں مذہبی انتہاپسندی کو فروغ ملا۔ ان کے خیال میں ''سائنس، دراصل خود آگاہی کا نام ہے، یا یوں کہیے کہ سائنس دراصل 'خدا آگاہی' کا نام ہے۔ ان دونوں جملوں میں کوئی تضاد نہیں کیوں کہ خودی خدا کا جزو ہے۔ یہ الگ بات کہ بہت چھوٹا سا جزو، جیسے ایک ایٹم ایک شمسی نظام کا جزو ہوتا ہے۔ زمینی عناصر سے بنا ہوتا ہے اور وہی خواص رکھتا ہے''۔ (ص ۷۹)

اپنے سائنسی پس منظر کے باوجود ان کے بعض بیانات مبہم اور بعض حقیقت سے دُور نظر آتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ''آئن سٹائن نے تحقیق کے دوران دو مختلف قوتیں، یعنی کششِ ثقل (gravity) اور برقی مقناطیسیت (electromagnetism) دریافت کیں......'' (ص ۶۴)۔ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ سائنس کی بنیاد اخلاقی سوالات پر قائم ہے، اور سائنس کی اخلاق سے عاری ہونے کی باتیں اٹھارھویں صدی کی شعبدہ بازی ہے'' اور دوسری طرف ''لُولی لنگڑی سائنس'' کے توازن کی تلاش بھی کرتے نظر آتے ہیں اور انھیں سائنسی ترقی، محرومیت کی خبر دیتی ہے۔ ''ہماری سائنس، حقیقت کی اعلیٰ سطح پر مزید ترقی کرنے سے قاصر نظر آتی ہے''۔ (ص ۸۰-۸۱)

اسماے الٰہی کے ضمن میں حضرت ابوہریرہؓ کے حوالے سے امام ترمذی کے روایت کردہ اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام اور ان کے معانی اور مفہوم بیان کرنے کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ ''یہی علم...... مخفی اسما کا علم ہی دراصل وہ طاقت تھی جو اللہ نے آدم کو اپنے نائب، اپنے معاون تخلیق کار کی حیثیت سے عطا کی تھی اور اپنی سلطنت کی تمام مخلوق کو آدم کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت [کذا] دی تھی'' (ص ۱۰۴)۔ لیکن یہ فراموش شدہ علم ابھی تک اسرار کی دُھند میں لپٹا ہوا ہے''۔ یہ اسما بار بار دُہرائے جاتے ہیں اور اس طرح ایک 'چکّر' کے تصور کو پیش کرتے ہیں۔ بعض قدیم مذاہب میں حقیقت مطلق کو ایک چکّر (wheel) کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ مگر گردش کے لیے ایک مرکز کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر مذہب میں یہ مرکز اللہ کی ذات ہے۔ ''خدا، رُوح ہے اور انسان مادہ''.... خدا اور انسان، رُوح اور مادہ، خالق اور مخلوق، ایک ہی تسلسل کے مختلف پہلو ہیں.... جیسے مادہ اور توانائی ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں''۔ (ص ۳۰۱-۳۰۲)

''خدا کی بھوک: On Eating God'' (ص ۳۱۱) کے سلسلے میں وہ کہتے ہیں کہ جس طرح ہمارے جسمانی وجود کو ایک متوازن غذا کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح روحانی نشوونما کے لیے اللہ کے ذکر، اس کی صفات کو اپنے اندر سمو لینا انسان کی روحانی پرورش کے لیے ضروری ہے۔ اللہ کو خود میں سمو لینے، اس کی صفات کو اپنا لینے، اُسے اپنے اندر جذب کر لینے کا یہ صوفیانہ تصور ہے۔ جیسے ایک بڑے پیڑے کو ایک دم نہیں کھا سکتے، بلکہ تھوڑا تھوڑا کتر کر چکھتے ہیں، اسی طرح ''اللہ بھی جو انسان کی روحانی غذا ہے، اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں۔ ایک دم بہت بڑی روحانی خوراک بھی روحانی بدہضمی کا باعث بن جاتی ہے، اور انسان کو مریض بنا دیتی ہے.... صوفی خدا کو تھوڑا تھوڑا چکھتا رہتا ہے'' (ص ۳۱۳)۔ وہ مثبت اور منفی کے اصول کو 'تنترا' اور ہندو دیو مالائی جنسی آثار و نقوش کا غماز بتاتے ہیں، جو بقول ان کے تمام مذاہب میں مروج اور جاری و ساری ہے، اور مختلف جہتوں سے حرکت و سکون، ظاہر و باطن، مادہ و روح اور 'حی و میّت' کی اشکال اختیار کرتا رہتا ہے۔ اس سلسلے میں قدیم و جدید سائنس دانوں کے کئی اقتباسات بھی پیش کرتے ہیں، اور اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ 'چوں کہ اللہ، انسان کے وجود کا سبب، اس کی علّت ہے، اور اس کی ذات کا جوہر اس کا عطر ہے، اس لیے اللہ کی اطاعت، خود اپنی ہی اطاعت کے مترادف ہے'' (ص ۴۵۱)۔ شاید منصور کا 'اناالحق' اس کا اظہار ہے۔ ''اللہ، الجامع'' ہے، یعنی وہ ہر چیز کو اکٹھا کر دیتا ہے۔ وہ کُلیّت ہے، جو ہر شے کو آپس میں جوڑ دیتی ہے۔ اللہ سب سے آخری امتزاج (synthesis) ہے۔ کُل ہے، جو جزو کو معنویت عطا کرتا ہے...... اللہ کو اس کی جامعیت میں سمجھنے کی کوشش ہی سائنس اور انسانیات [انسیات]، ایمان اور استدلال کے درمیان موجود یہ خلیج پاٹ سکتی ہے...... اللہ...... وہ یکتا آئیڈیل ہے جو پوری بنی نوع انسان کو تمام اختلافات اور انحرافات سے بالاتر ہو کر ایک وحدت میں جوڑ دیتا ہے۔ یہ کُل (whole) کی ایک بے مثال خصوصیّت ہے، جو اس کے اجزا (parts) میں نہیں ملتی۔ جیسا کہ امریکی ماہر طبیعیات اور فلسفی فریجوف کیپرا (Fritjof Capra) نے کہا ہے کہ شکر کا ذائقہ نہ تو کاربن میں ملتا ہے، نہ ہائیڈروجن میں نہ آکسیجن کے ایٹموں میں۔ حالانکہ یہی شکر کے اجزا ہیں۔ یہ ذائقہ تو صرف شکر ہی میں مل سکتا ہے، جو ان سب کا مجموعہ، ان سب کا کُل ہے'' (ص ۴۵۶)____ یہ ہے اللہ کا ذائقہ چکھنے کی دعوت اور ماورا کا تعیّن! (عبدالقدیر سلیم)